اقبال اور فرید کا نظریۂ عشق

ڈاکٹر میاں مشتاق احمد

خواجہ غلام فرید مٹھن کوٹی فرید (۱۸۴۵ء۔۱۹۰۱ء) اور اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) سرزمین پنجاب کے دو نمایاں فکری راہ نما ہیں۔ خواجہ فرید، علامہ اقبال سے بتّیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے آخری ایام میں اقبال کا کلام شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ علامہ اقبال کو خواجہ فرید کی ذات، علمی مرتبے اور شاعرانہ حیثیت کے بارے میں، بخوبی علم تھا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ فریدؒ کی کافیاں علامہ صاحب سنا کرتے تھے۔ آخری ایام میں ایک ملازم دیوان علی انھیں یہ کافیاں سنایا کرتا تھا۔ دیوان علی بھی علی بخش کا رشتہ دار تھا۔ آپ سرائیکی اور پنجابی دونوں کلاموں سے مستفید ہوتے تھے۔[۱]

خود علامہ اقبال انھیں ایک روحانی شخصیت سمجھتے تھے:۔

جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن اور خواجہ فریدؒ چاچڑاں والے اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا[۲]۔

ان کا رسالہ ''سیاحت افلاک'' علامہ اقبال کے علم میں تھا، لکھتے ہیں:

رہا ستاروں میں پہنچنا، ان کی سیاحت کرنا ہو، جس طرح ابن العربی کی تحریروں سے دانتے کو تحریک ہوئی کہ واقعتاً نہ سہی، عالم خیال ہی میں سہی ستاروں کا رخ کرے...... ایک بزرگ چاچڑاں شریف حضرت خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کا بھی ایک رسالہ سیاحت افلاک میں ہے انھوں نے لکھا ہے کس طرح ان کا گزر بعض سیاروں میں ہوا[۳]۔

مولانا طالوت اپنے دور میں ایک ماہر فریدیات تھے، علامہ اقبال سے ان کا رابطہ ثابت ہے، وہ مقدمۂ ''دیوان فرید'' میں خواجہ فرید کے کلام پر اقبال کے تبصرے کا ذکر کرتے ہیں[۴]۔ پھر صوفی تبسم کا مع ساتھیوں کے، اقبال سے مکالمہ ''اردو ڈائجسٹ'' میں شائع ہو چکا ہے[۵]۔ اس طرح کی کئی اور خارجی شہادتیں موجود ہیں لیکن داخلی شہادتوں کی تلاش بھی منطقی جواز لیے ہوئے ہے۔ اقبال تصوف پر تحقیق کر رہے تھے، اپنے علاقے اور اپنے عہد کے اتنے بڑے صوفی کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے، جو کئی والیان ریاست کا مرشد تھا، جن ریاستوں سے اقبال کا تعلق رہا ہے اور پھر وہ شاعر ہے، جسے بھرپور عوامی مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ اس کی شاعری اقبال خود بھی سنتے تھے۔ اسی پنجاب کی زبان بولنے والا، علامہ اقبال صرف اس کی شاعری ہی سے نہیں بلکہ خواجہ فرید کی ان کتابوں سے بھی آشنا تھے جس کے بارے میں عام لوگ زیادہ نہیں جانتے[۶]۔

ایک اور نکتہ یہ بھی توجہ طلب ہے کہ اقبال نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ خواجہ فرید کو علاقائیت میں محدود کر دیا گیا۔ وہ فرید میں بین الاقوامی حیثیت کے عناصر دیکھتے تھے۔ کائنات کا وہ اہم نکتہ کوئی فنی مسئلہ نہیں ہے بلکہ نظریاتی ہے، جس کا ایک بنیادی حوالہ فلسفۂ عشق ہے جو تربیت انسانی کے لیے لازم اور شرطِ ارتقائے آدمیت ہے، وجۂ حصول مقامِ عشق ہے جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ طلب کی یکتائی و وحدت سے شناسا ہو جاتا ہے عشق اس کا رہنما بن جاتا ہے اور مقام عشق سے سرفراز ہو جانے والوں کے لیے منزلیں بن جاتا ہے بقول خواجہ فریدؒ:

تھل مارو دا پینڈا سارا　　تھیسم ہک بلانگھ

اور بقول اقبالؒ

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

....

سِکھ ریت روش منصوری نوں

سکھانا کیا ہے؟ روش منصوری، کیا ہے؟ ''انا الحق'' یعنی بتایا تھا کہ میں جان گیا ہوں کہ میں کیا ہوں؟

جو کوئی عشق مدرسے آیا　　فقہ اصول دا فکر اٹھایا
بے شک عارف ہو کر پایا　　رمز حقیقت پوری نوں
جو کوئی چاہے علم حقائق　　راز لدنی کشفِ دقائق
تھیوے اپنے آپ دا شائق　　سٹ نزدیکی دوری نوں

اور متاع فقر کیا ہے؟ فرید فرماتے ہیں:

نینہہ فرید فقر دی موڑی　　باجھ برہوں دے گل گل کوڑی

اور اقبال علیہ الرحمتہ کیا فرماتے ہیں؟ مسجد قرطبہ کا پہلا بند پڑھیے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بت کدۂ تصورات
من بندۂ آزادم، عشق است امام من
عشق است امام من، عقل است غلامِ من

اور عشق کی ابتدا، اس کا پہلا سبق سوز، جب تک کہ وہ ساز میں نہ ڈھل جائے! کیا مزہ ہے اس سوز میں؟ کیا لذت ہے؟ کیا مستی ہے؟

متاع بے بہا ہے درد و سوزِ ساز آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

عشق مدرسے آ کر عشق پا لینے والا کیا بن جاتا ہے؟ بقول فرید

عشق ہے ہادی پریم نگر دا — عشق ہے راہبر راہ فقر دا
عشقوں حاصل ہے عرفان — عشق اساڈا دین ایمان
جڈاں حضرت عشق استاد تھیا — سب علم و عمل برباد تھیا
پر حضرت دل آباد تھیا — سود جد کنوں لکھ حال کنوں
عشق فرید نہیں اج کل دا — روز ازل دی مٹھیاں
ہے پیت فرید دی ریت عجب — ہے درد تے سوز دی گیت عجب
سن سمجھو سارے اہل صفا — سبحان اللہ، سبحان اللہ

اور جب کوئی مقامِ عشق پا لیتا ہے تو قلندر کہلاتا ہے جس کا تعارف فریدؒ یوں کراتے ہیں کہ:

جو ہے مرد تحقق، موقن — اوسدا تھیا شیطان بھی مومن

حق الیقین، نفس مطمئنہ کس کے پاس ہوتا ہے؟ سچے صوفی کے پاس بقول فرید:

ہیں عشق دے ملک دے میر اساں

اور بقول اقبال:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی

....

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

علامہ اقبال، رومی کو پیر کہتے ہیں اور خواجہ فریدؒ، ابن العربی کو مرشد مانتے ہیں۔ دونوں فن شعر کو اپنے پیغام کے مقابلے میں ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ دونوں انسانی جوہر کی نشوونما کے لیے تربیت کا ایک نظام وضع کرتے ہیں۔ دونوں انسانِ کامل کی شخصیت کی تعمیر و تربیت کا مقصد لیے ہوئے ہیں۔ دونوں کے ہاں عشق مصطفیٰؐ میں سچائی، گہرائی اور گیرائی ملتی ہے، دونوں کے ہاں قرآن و حدیث کو بنیادی حوالہ بنایا گیا ہے۔ اقبال، اکابر تصوف کو نہ مانتے تو مولانا روم کے گرویدہ کیوں ہوتے؟ اقبال، حضرت مہر علی شاہ گولڑوی کو لکھتے ہیں:

......ابن العربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے بایں حال، چند امور دریافت طلب ہیں[۷]

اقبال کے نزدیک عشق کا تصور نہایت وسعت رکھتا ہے یہ ایک ایسی قوت ہے جو خودی کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ قاضی جاوید کہتے ہیں:

خواجہ فرید کی زندگی میں ان کے تجربہ عشق کو بہت اہمیت حاصل ہے...... جب کوئی تجربہ ذات کی

گہرائیوں تک اتر جائے تو وہ ذات کو مکمل طور پر گرفت میں لے کر اس کی تشکیل نو کر دیتا ہے۔[۸]

مجنوں گورکھپوری کے مطابق:

خواجہ فرید ''جمال یار'' کے خیال میں نہیں بلکہ ''خیال یار'' کے جمال میں محو ہو جانے کی تحریک کرتے ہیں۔[۹]

اور بقول خود خواجہ فرید:

عاشق مجازی کا عشق کچھ عرصے بعد زوال پذیر ہو جاتا ہے چونکہ عشق حقیقی صورت فعلیہ رکھتا ہے اور عشق مجازی صورت انفعالی رکھتا ہے۔[۱۰]

خواجہ فرید عشق ہی کو رمز حقیقی تک پہنچنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک عشق ایک پاکیزہ اور غیر فانی جذبہ ہے یہ علم و عرفان کا منبع اور عمل کا محرک ہے جس سے معراج عرفان اور معرفت حاصل ہوتی ہے اور خواجہ فرید مجاز کے پل سے گزر کر جمال مطلق تک رسائی پا لیتے ہیں تو فرماتے ہیں:

حسن مجازی کوڑا، ہے فانی برباد　　باجھ محبت ذاتی، کوجھا شور فساد

مجازی عشق جھوٹا اور فانی ہے ذاتِ باری کی محبت کے سوا تمام شور وفساد غیر موزوں ہے:

عشق ہے ہادی پریم نگر دا　　عشق ہے راہبر راہ فقر دا
عشقوں حاصل ہے عرفان　　عشق اساڈا دین ایمان

عشق ہی سرمایہ عاشق ہے یہی پریم نگر کا راستہ دکھاتا ہے یہی فقر و درویشی کی منزل کا رہبر ہے اسی سے عرفان (ذات) حاصل ہوتا ہے اس لیے عشق ہی ہمارا دین وایمان ہے۔خواجہ فرید نے کامل شعور واعتماد سے اپنا نظریہ عشق پیش کیا ہے جو انسانی شعور کو ہر لحظہ نئی توانائی ولذت عطا کرتا ہے۔

قسم خدا دی قسم نبی دی　　عشق ہے چیز لذیذ عجیب

ان کا راستہ عام صوفیانہ روش سے اس طرح مختلف ہے کہ وہ اپنی ذات (شخصیت) کو قائم رکھتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ:

خلقت کوں جیندی گول ہے　　ہر دم فرید دے کول ہے
سوگند پیر فخرؒ الدین　　ہذا جنون العاشقین

لوگ جس محبوبِ حقیقی کی تلاش میں ہیں مرشد فخرؒ الدین کی قسم، وہ ہر دم میرے پاس ہے، اور یہی کمال عشق ہے۔

خواجہ فرید کا عقیدہ یہ ہے کہ عشق وجہ تخلیق کائنات ہے جس کا ثبوت خود ذات اقدس کا فرمان ہے:

کنت کنزا صاف گواہی　　پہلوں حب محبوب کوں آہی
جیں سانگے تھیا جمل جہان　　عشق اساڈا دین ایمان

کنت کنزاً کی حدیث قدسی ذات احد کے عشق کی دلیل ہے کہ ذات باری نے اپنی نمود کی خواہش

(محبت) میں جہاں پیدا کیے۔

فرید کے نظریہ عشق کی بنیاد قرآن کے اس فرمان پر ہے کہ انا عرضنا الامانته علی السموات و الارض و الجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان ط انه کان ظلوما جهولا [۱۱]

(بے شک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمینوں پہاڑوں پر تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اٹھا لی۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے)

فریدؒ کس ناز اور شان سے کہتے ہیں:

آپے بار محبت چایم ڑی — ونج آپ کوں آپ اڑایم ڑی

میں نے اپنی مرضی سے محبت کا درد قبول کیا اور اپنے آپ کو خود ہی پھنسایا

لذت عشق اس قدر عزیز ہے کہ وہ "ظلوما جهولا" کا شعور رکھنے پر بھی عشق ہی پر راضی ہے:

گھاٹے عشق دے گھاٹے جاتے میں — تاں بھی چُم سر اَکھیاں چاتے میں

عشق کے خسارے کو دیدہ و دانستہ چوم کر سر آنکھوں پر اٹھالیا

عشق ان کے نزدیک ایک طرز و طریق حیات ہے اور وہ سب سکھانے والوں کو علی الاعلان کہتے ہیں:

زاہد کوں جا خبر سناؤ — عشق اساڈا دین

زاہد کو بتادو کہ ہمارا دین (طریق) تو عشق ہے

ٹھپ رکھ فقہ اصول دے مسئلے — باب برہوں دا ڈس وے میاں جی

فقہ اور اصول کے مسائل کو لپیٹو اور مجھے تو صرف درس عشق پڑھاؤ

پیش کیتا جیں فہم فکر کوں — لیت ولعل دی اِر َگھر کوں

پڑھ کے شکر نہ ڈتڑس سرکوں — عشق دی راہ وچ پھس پیا

جو عقل و فکر کے وسوسوں میں الجھ گیا اور اس نعمت کو خوشی سے قبول نہ کیا وہ راہِ عشق میں ناکام رہا

پیا عشق اساڈی آن سنگت — کئی شد مد زیر زبر دی بھت

سب وسرے علم علوم اساں — کل بھل گئے رسم رسوم اساں

ہے باقی درد دی دھوم اساں — بئی برہوں یاد رہیو سے گت

عشق سے آ گہی ملی تو علم بے وقعت ہو گیا۔ علوم و رسوم بھول گئے، صرف درد کی دھوم اور عشق کی گت باقی رہ گئی

فرید کے ہاں عشق محض قال نہیں بلکہ حال ہے یہ وہ امتیاز ہے جو باقی عارفوں اور فریدؒ کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ وہ ایک خاص صوفیانہ پس منظر رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کی بنیاد عشق، طریق عشق،

دین عشق اور ایمان عشق ہے۔ یہ ان کے خمیر، سرشت اور روح کا بنیادی جزو ہے۔

غرض فرید کے ہاں دردِ عشق کی ساری کیفیتیں موجود ہیں۔ وہ خود واقعتاً ان مراحل سے گزرے ہیں۔ سوزِ عشق کی ساری وحشتیں نبھائی ہیں انھوں نے عملاً لق و دق صحرا میں بیٹھ کر مراحل سلوک طے کیے۔ ان کے صحرائے چولستان میں گزرے اٹھارہ سال، ان کے لیے تجربہ عشق کا زمانہ ہے۔ ان مدارج میں انسان ہونے کے ناطے کہیں کہیں شکستگی بھی ہے۔

جند سولاں دے وات نیں ڈتڑی برہوں برات نیں

یہ سوز واندوہ عشق کا عطیہ ہیں

اے عشق نہیں سر رو ہے ڈکھیں سولیں دا انبوہ ہے

یہ عشق درد و سوز کا انبار سر پہ اٹھانے کے سوا کچھ نہیں ہے

عشق نہیں ہے نار غضب دی تن من کتیس کو لے

یہ عشق غضب کی آگ ہے جو تن من جلا کر کوئلہ کر دیتی ہے

عشق انوکھڑی پیڑ سوسو سول اندر دے نین دہاوِم نیر الڑے زخم جگر دے

فرید کے ہاں عشق اور توحید ہم معنی ہیں جس کے حوالے خود کلام فرید سے ملاحظہ کیجیے۔ کس قدر واضح تعریف ہے فرید کے نظریہ عشق کی! جو ابن عربی کے زیر اثر وحدت الوجودی بن کر رہ گیا ہے

راہ توحیدی، عشق فریدی اپنے آپ دا دھیان اے

بن دلبر شکل جہان آیا ہر صورت عین عیان آیا

کتھے موسیٰ تے کتھے شیث نبی کتھے نوح کتھے طوفان آیا

کتھے ابراہیم خلیل بنے کتھے یوسف وچ کنعان آیا

کل شے وچ کل شے ظاہر ہے سوہنا ظاہر عین مظاہر ہے

کتھے ریت پریت دا ویس کرے کتھے عاشق تھی پردیس پھرے

اقبال، عشق کو مادی حقائق پر روحانی حقائق کی برتری ثابت کرنے کے لیے اپناتے ہیں اور اسے زندگی کی قوتِ محرکہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تکوین کائنات اور ارتقائے حیات دونوں کا سرچشمہ عشق ہے:

بہ برگ لالہ رنگ آمیزئ عشق بجانِ مابلا انگیزئ عشق

اگر ایں خاک داں را واشگافی دروُنش بنگری خوں ریزئ عشق

اقبال کی نظر میں عشق قوتِ عمل و جوش کا دوسرا نام ہے، اس لیے انسان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ عشق کا سوز و گداز رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک عشق ہی شوق و آرزو کی بدولت ارتقاً کے لیے باعث

تقویت ہے اور جلوت وخلوت کے امتزاج سے ہی عشق کی پوری قوت وتوانائی کا اظہار ممکن ہے۔

عشق زپا درآورد خیمۂ شش جہات را

عشق زپا در آورد خیمۂ شش جہات را   دست دراز می کند تا بہ طناب کہکشاں
عشق در خلوت کلیم اللٰہی است   چوں بہ جلوت مے خرامد شاہی است
زندگی را شرع آئین است عشق   اصل تہذیب است دیں، دین است عشق

ان کے مطابق حقیقت تک رسائی عشق ہی کی بدولت ممکن ہے عشق سے نئی آرزوئیں اور تمنائیں پیدا ہوتی ہیں۔ عشق انھیں ایک نئی حیات، نیا سوز اور حرارت بخش دیتا ہے۔

عشق کے ہیں معجزات سلطنت وفقر و دیں   عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج ونگیں
کسے کو درد پنہانے نہ دارد   تنے دارد و لے جانے نہ دارد
عشق سلطان است و برہان مبیں   ہر دو عالم عشق را زیر نگیں
سرِّ عشق از عالم ارحام نیست   او ز سام و حام و روم و شام نیست
زرسم راہ شریعت نکردہ ام تحقیق   جز ایں کہ منکرِ عشق است کافر و زندیق
ہر لحظہ، نیا طور، نئی برق تجلی   اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

سوز وگداز دیکھیے:

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل   چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ نا تمام

وادیِ عشق بسے دور و دراز است و لے   طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

دیں نگردد پختہ بے آدابِ عشق   دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق
می ندانی عشق و مستی از کجاست   ایں شعاع آفتاب مصطفےٰ است

عقل وعشق

عشق درپیچاک اسباب و علل   عشق چوگاں باز میدانِ عمل
عقل را سرمایہ از بیم و شک است   عشق را عزم و یقیں لاینفک است
ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیر کارواں   عقل بہ حیلہ می برد عشق برد کشاں کشاں
علم سے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب   علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب
علم بے عشق است از طاغوتیاں   علم با عشق است از لاہوتیاں
عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے؟   عقل کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اور بقول یوسف حسین خاں: ''زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی اس کو عشق اپنی کرامات سے بے سوزن اور بغیر تارِ رفو سی سکتا ہے''۔[۱۲]

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبرئیل   اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

از محبت اشتعال جوہرش   ارتقائے ممکناتِ مضمرش

فطرتِ او آتش اندوز دز عشق   عالم افروزی بیا موزد زعشق

بقول خلیفہ عبدالحکیم: ''اقبال کے ہاں خودی اور عشق کے مضامین ہم معنی ہیں''۔[۱۳]

اور حاصل کلام یہ کہ:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالدحیات   تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی   نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافروزندیق

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ   عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

اقبال وفرید کے افکار کا مرکزی نکتہ عشق ہے یہ وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ان دانشوروں کے افکار کی عمارت قائم ہے۔ ان کے خیال میں عشق انسان کو فکر وعمل کی حریت عطا کرتا ہے۔ ارتقائے حیات کا سب سے بڑا محرک ہے اسی سے انسانی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے عناصر کائنات کی بقا ربط باہم میں مضمر ہے اور یہ ربط، عشق ہی کا ہے یعنی ان کے خیال میں کائنات کے قیام کی وجہ عشق ہے۔

اقبال کے مطابق عشق اس فطری نظام کے ارتقا کا نام ہے جو قلب انسانی میں ہی نہیں بلکہ کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے۔ اس عالمِ رنگ و بو کے تمام کارناموں کے پس منظر میں یہ جذبۂ عشق ہی کارفرما ہے اس لیے وہ اسے دمِ جبرئیل، دل مصطفٰے، خدا کا رسول، خدا کا کلام، نورحیات اور نارِحیات قرار دیتے ہیں یہی جذبہ معرکۂ کرب وبلا میں اور بدروحنین میں لشکرِحق کے ثبات کی وجہ بنا:

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

خواجہ فرید کا نظریہ عشق وسعت و ہمہ گیری وقوتِ تسخیر کے حوالے سے اقبال کے تصورِ عشق سے مماثل ہے۔ انھیں کائنات کے ہر ذرے، ہر جگہ، ہر مظہر میں یہی جذبہ جلوہ گر نظر آتا ہے جو کبھی عاشق، کبھی معشوق، کبھی بلبل، کبھی شمع و پروانہ، کبھی چاند اور چکور، کبھی میقات پر کلام الٰہی سے باریاب ہوتا ہے اور کبھی اس کا اظہار جلال و جمال کی صفات ایزدی میں ہوتا ہے، انبیائے کرام جیسے نفوس قدسہ میں بھی اس جذبے کی کارفرمائی ہے۔ کسی نے جوش عشق میں اناالحق کہہ دیا تو کسی نے سبحانی ما اعظم شانی۔ عشق ایسی اعلیٰ وارفع چیز ہے جس کا اظہار سب سے پہلے خدا کی طرف سے ہوا۔ تخلیق کائنات کا جواز

بھی اسی جذبے کی مرہون منت ہے:

کنت کنزاً صاف گواہی
پہلوں حب محبوب کوں آہی
جیں سانگے تھیا جُمل جہان

کنت کنزاً کی حدیث ذات احد کے عشق کی دلیل ہے۔ ذات باری نے اپنی نمود کی خواہش (محبت) میں سارا جہان پیدا فرمایا:

مظاہر عشق کا بیان کر کے خواجہ فرید فرماتے ہیں کہ جب تک زندگی میں درد اور سوز نہ ہو جینے کا مزہ نہیں:

ہے پیت فرید دی ریت عجب
ہے درد تے سوز دی گیت عجب
سن سمجھو سارے اہل صفا
سبحان اللہ! سبحان اللہ!

اے اہل صفا! فرید کا مشغلۂ زندگی محبت، سوز اور درد ہے۔ سبحان اللہ یہ بڑی عجب نعمت ہے۔

اقبال بھی اسی فلسفہ کا آئینہ دار ہے:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بدم

بلکہ اقبال اس سے آگے بڑھ کر دین وایماں کا مدار عشق پر رکھتے ہیں:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

خواجہ فرید بھی عشق کی اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں اور اس لافانی جذبے کو فقر و درویشی کا راس المال سمجھتے ہیں:

نینہہ فرید فقر دی موڑی
باجھ برہوں دے کل گل کوڑی
مردیں جیندیں نبھویں پوری
دل نوں داغ نہ لاویں دے

عشق و محبت درویشی کا راس المال یا سرمایہ ہے۔ عشق و محبت کے بغیر دنیا کی تمام باتیں جھوٹی ہیں، اس کو جیتے جی بلکہ مر کر بھی نبھانا عاشق کا فرض عین ہے۔ اس لیے ایک دم بھی غافل ہونا، دل کو داغ لگانے کے برابر ہے۔

اقبال فرید جس عشق کی عظمت کے نغمے الاپتے ہیں یہ عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کا سفر ہے اقبال تو

عشق مجازی کو ہوسنا کی کہہ کر حیلہ پرویزی قرار دیتے ہیں

در عشق و ہوسنا کی دانی کہ تفاوت چیست ؟
آں تیشہ فرہادے ایں حیلہ پرویزی

خواجہ فرید حسن ازل کا جلوہ دیکھ کر مجازی عشق ہی کو بھول جاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں حقیقت ظاہر ہو گئی ہے:

وسرے رنگ مجازڑے
حسن ازل دے سانگ

حسن ازل کی خاطر عشق مجازی بھول گئے اور بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں:

عاشق راہِ خداہوں غیر سے مطلب نہیں
سالکِ راہ ہدیٰ ہوں غیر سے مطلب نہیں

(دیوان اردو،ص ۷۹)

خواجہ فرید کا نقطہ نظر یہ ہے کہ عشق مطلوب حقیقی اور ذاتِ مطلق تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے، یہی وہ جذبہ ہے جو ماسوا کو فنا کر کے دل کو حقیقی توحید کا مسکن بناتا ہے۔ اقبال بھی توحید پر استقامت کو عاشقی قرار دیتے ہیں:

عاشقی؟ توحید را بردل زدن
وانگہے خود را بہر مشکل زدن

لیکن اس حالت کے حصول کے لیے عشق کو پورے وجود میں رچانا پڑتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ مجسم عشق بننا پڑتا ہے۔ یہ عشق انسان کی رگ رگ میں ریشے ریشے میں سما جائے تو بات بنے بقول اقبال:

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اور فرید کہتے ہیں:

دل عشق مچائی اگ سائیں
ڈکھ سوز رچیا رگ رگ سائیں

عشق نے یہ کیسی آگ بھڑکا دی ہے کہ رگ رگ اور ریشے ریشے میں سوز و گداز رچ بس گیا ہے۔

راہ عشق میں سو طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں اور عاشق کو انھیں اُف کئے بغیر برداشت کرنا پڑتا ہے اقبال و فرید اس سے آگاہ ہیں بلکہ اسے سہہ رہے ہیں۔ فرید فرماتے ہیں:

گھر بارڈِ سے بربار اساں
گئے وسر سبھو کم کا راساں

لاچار تے زار نزار اساں
وہ ڈتڑی برہوں برات عجب

گھر بار ہمیں جنگل اور صحرا لگتا ہے ہم سب کاروبار بھول گئے ناچار وزار ونزار ہو گئے۔ واہ عشق نے ہمیں یہ کیسے عجب انعام دئے ہیں۔

اقبال راہِ عشق کو یوں پیش کرتے ہیں:

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریاں و بے تیغ و سناں عشق

اسی لیے تو اقبال جبرئیل سے کہتے ہیں کہ:

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

خواجہ فرید کہتے ہیں:

مجھ سے پختہ کا، فرید، یاں سابنا ہے احوال
الاماں! عشق کے گر ہاتھ کوئی خام آوے

(دیوان اردو، ص ۱۱۵)

عشق دی بات نہ سمجھن اصلوں
ایہ ملوانے رُکھڑے

اقبال کہتے ہیں:

نہاں اندر دو حرفے سرکار است
مقام عشق منبر نیست دار است
عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

خواجہ صاحب کہتے ہیں:

تھل ماروودا پینڈا سارا
تھیسم ہک بلانگھ

کیچ تک کی مسافت تو میرے لیے بس ایک جست ہے

اقبال و فرید ایسے وصال کے طالب نہیں جو عاشق کی انفرادیت گم کر دے قطرہ دریا میں جذب

ہو کے اپنی ہستی کھو دے، نہیں بلکہ وہ تو عاشق کی انفرادیت کے ثبات کے قائل ہیں وہ تو ایسے وصل کے قائل ہیں جو قطرے کو گہر کر دے یعنی وہ ہجر کو اہمیت دیتے ہیں کہ وصال تو ان کے نزدیک طلب کی موت ہے

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

یہ ہجر اسے اور آگے بڑھنے کی جستجو و ہمت دیتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

جدائی از مقامات وصالش　　وصالش از مقامات جدائی است

فرید کہتے ہیں:

ہے قرب عجب، ہے بعد عجب　　ہے وصل عجب، ہے فصل عجب

کیفیات وجدانی میں ایک عجیب قرب اور عجیب بعد ہے، وصل بھی ہے فصل بھی۔
دونوں عقل پر عشق کو ترجیح دیتے ہیں کہ عقل کی رسائی محدود ہے

ہے محض مقام تحیر دا　　بٹھ حیلہ درک تفکر دا
ہیں ڈونگڑے ڈینہہ دوں ہتھ نہ پا　　سبحان اللہ! سبحان اللہ

یہ راز مقام تحیر ہے لہٰذا غور و فکر (عقل) کا حیلہ نہ کر اور اس عمیق راستے کی طرف ہاتھ نہ ڈال کیونکہ اس راہ میں تاویلات اور عقلی دلائل کے گھوڑے دوڑانا فضول ہے!
اقبال کا بھی یہی عقیدہ ہے، کہتے ہیں:

عقل گو آستاں سے دور نہیں　　اس کی تقدیر میں حضور نہیں

اور حکم دیتے ہیں کہ:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور　　چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

صرف عقل ہی نہیں علم کو بھی عشق کے مقابلے میں کمتر قرار دیتے ہیں:

بر عقل فلک پیاتر کا نہ شبیخوں بہ　　یک ذرۂ درد دل از علم فلاطوں بہ

فرید بھی یہی کہتے ہیں:

جو کوئی عشق مدرسے آیا　　فقہ اصول دا فکر اٹھایا
بے شک عارف ہو کر پایا　　رمز حقیقت پوری، نوں

جو شخص محبت کے مکتب میں آیا اس نے فقہ اور اصول کا دھندہ ترک کر دیا اور حقیقت کی رمز کو فی الواقع عارف بن کر حاصل کیا۔

خواجہ فرید اور اقبال کے عشق کا ایک لازمی پہلو عشق رسول ﷺ ہے۔ دونوں کے ہاں جذب و مستی ہے۔ دونوں اس نام پاک ﷺ کے لیتے ہی حالت جذب میں ڈوب جاتے ہیں۔ خواجہ فرید کا

دیوان، ملفوظات فرید اور سیرت، ان کے عشق رسولﷺ کے گواہ ہیں اسی طرح اقبال کی کلیات، ملفوظات اور ملنے والے لوگ اقبال کے عشق رسولﷺ کے ناقابل تردید گواہ ہیں۔ عشق، اقبال وفرید کے نظام افکار کی بنیاد ہے۔ جب انسان ''توحید عشق'' اپناتا ہے تو خواجہ فرید کے مطابق اس پر انوار الٰہی کی بارش ہونے لگتی ہے اور اس کا دل عرش بریں کا مصداق بن جاتا ہے۔

وہ عشق ڈاڑی ڈات ہے   تھئی رات سب پر بھات ہے
شد فرش دل عرش بریں   ہذا جنون العاشقیں

عشق نے کیا ہی پر کیف عطیہ دیا ہے کہ تمام رات دل پر تجلیات الٰہی کا دور دورہ ہوتا رہا ہے گویا کہ یہ خاکی دل عرش بریں بن جاتا ہے، جنون عشق کا ایک منظر ہے۔

اور بقول اقبال:

بیا اے عشق اے رمز دل ما   بیا اے کشت ما اے حاصل ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں   دگر آدم بنا کن از گل ما

خواجہ فرید اور اقبال کے تصور عشق کا تقابلی جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان دونوں کے نظریہ عشق میں کامل ہم آہنگی ہے ان کے نزدیک عشق ہی کی بدولت تمام اسرار منکشف ہو سکتے ہیں۔ عشق ہی سے تسخیر کائنات ممکن ہے اس عالم ناپایدار میں عشق کو دوام حاصل ہے۔ اس جذبہ کی قوت کو بروئے کار لا کر انسان بھی دوام حاصل کر سکتا ہے۔ اسی سے معرفت خالق ممکن ہے۔ یہ جذبہ درس جہد مسلسل عطا کرتا ہے۔ یہ محض نظارہ جمال نہیں بلکہ ازلی وابدی صداقت کا نام ہے۔

حوالے

۱۔ اقبال، ''کلیات اردو''، اسد پبلی کیشنز لاہور

۲۔ اقبال، ''کلیات اقبال''، (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع پنجم، ۱۹۸۵ء

۳۔ خواجہ فرید، ''دیوان فرید'' مترجمہ عزیز الرحمٰن، عزیز المطابع، بہاول پور، ۱۹۴۴ء

۴۔ خواجہ فرید، ''دیوان فرید'' اردو، مرتبہ، صدیق طاہر، اردو اکیڈمی، بہاول پور، طبع دوم، ۱۹۹۵

۵۔ خواجہ فرید ''فوائد فریدیہ''، مترجم معینی شاہ جمالی، مکتبہ معین الادب، ڈیرہ غازی خاں، ۱۳۷۳ھ

۶۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق، ''لغات فریدی''، سرائیکی مجلس، بہاول پور، ۱۹۸۴ء